پروفیسر خالد بزمی

اک مرد باکمال وہ بھی تھا

ڈک۔ ڈک۔ ڈک۔ ڈک۔ ڈک۔ ڈک۔ ڈک

"برادران اسلام! آج رات کو ..... بعد نماز عشاء مسجد خیر الدین مرحوم میں ..... امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری..... تقریر فرمائیں گے۔ آپ حضرات کو چاہیئے کہ جوق در جوق تشریف لا کر جلسے کی رونق کو..... دوبالا فرمائیں۔"

یہ ڈھنڈورے کے وہ الفاظ ہیں جو اکثر امرتسر کے بازاروں اور سڑکوں پر گونجا کرتے تھے۔ اور جب لوگوں کو یہ معلوم ہوتا کہ عطاء اللہ شاہ بخاری کی تقریر ہے تو یہ الفاظ ڈھنڈورے سے زیادہ لوگوں کی زبانوں کے ذریعے سارے شہر میں پھیل جایا کرتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ امرتسر میں جب بھی شاہ جی کی تقریر ہوتی تو مسجدوں میں خاص طور پر یہ خبر کسی اہتمام یا انتظام کے بغیر ہی از خود ہر نمازی تک پہنچ جاتی تھی۔ اور اگر تقریر مسجد خیر الدین میں ہوتی تو لوگ اکثر عشاء کی نماز وہیں ادا کرتے تھے تاکہ اسٹیج کے قریب ہی جگہ حاصل ہو سکے۔

میں نے لوگوں کو شاہ جی کی تقریر سننے کے لئے اس طرح ٹولیاں بنا کر جلسہ گاہ کی طرف جاتے دیکھا ہے کہ جس طرح لوگ عموماً عید کی نماز پڑھنے جایا کرتے ہیں۔ میں بھی اپنے بچپن ہی سے ہمیشہ ان ٹولیوں میں شامل ہونے کی کوشش کرتا تھا۔ مجھے بچپن سے تقریریں سننے کا شوق بہت زیادہ تھا۔ اور خصوصاً سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی تقریر کے لئے میرے والد اور بھائی صاحب بھی ضرور جاتے تھے۔ مختلف مشاہیر ملت کی تقریروں میں شامل ہونے کی عادت تو مجھے اپنے والد صاحب ہی سے ملی ہے جو خاص طور پر مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا محمد علی جوہر، سید داؤد غزنوی، سید عطاء اللہ شاہ بخاری، چودھری افضل حق، شیخ حسام الدین، مظہر علی اظہر، تاج الدین انصاری، مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کی تقریروں اور مولانا ثناء اللہ امرتسری مرحوم کے مناظروں میں ضرور شامل ہوتے رہے ہیں۔

میں ذاتی طور پر ان میں سے صرف مولانا ابوالکلام آزاد مولانا محمد علی جوہر اور چودھری افضل حق مرحوم کی تقاریر سے محروم رہا ہوں۔ میں نے جس شخصیت کی تقریریں زیادہ سنی ہیں وہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری ہیں۔ گویا اس سلسلے میں ان کا نام سرفہرست ہے۔

پاکستان بن جانے کے بعد لاہور میں شاہ جی کی جس قدر تقریریں ہوئی ہیں میں شاید ہی کسی تقریر سے غیر حاضر رہا ہوں گا۔

شاہ جی کی ہر تقریر کے موقع پر بلا مبالغہ اگر لاکھوں نہیں تو کئی ہزار لوگ تو ضرور موجود ہوتے تھے اور

انکی تقریر جتنی دیر تک رہتی سامعین نہایت ذوق و شوق سے ہمہ تن گوش رہتے تھے۔ شاہ جی کی تقریر کے موقع پر رات کے تین تین چار چار بجے تک تو میں بھی جاگتا رہا ہوں۔ اور یہ اس وقت کی بات ہے جب میں لڑکپن کی منزلیں طے کر رہا تھا۔ نہ جانے ان کی زبان میں کیا سحر اور دلکشی تھی کہ حاضرین میں سے کسی کو نیند محسوس ہوتی تھی اور نہ کوئی ایک لمحے کے لئے اکتاہٹ محسوس کرتا تھا۔ اگر تقریر کو جادو کہا جاسکے تو بلاشبہ شاہ جی بہت بڑے "جادو گر" تھے۔

میرے والد مکرم شیخ عبدالعزیز امرتسری اس واقعے کے راوی ہیں کہ ایک مرتبہ امرتسر میں کنھیا لال کے منڈوے میں مرزا بشیر الدین محمود کی تقریر تھی۔ شہر کے اکثر مولویوں نے مسلمانوں کو وہاں جانے سے روکا۔ چنانچہ مرزائیوں کے علاوہ وہاں شاید بہت ہی کم لوگ گئے۔ ابا جی کہتے ہیں میں نے سوچا کہ دیکھوں تو سہی مرزا محمود آخر کہتے کیا ہیں۔ جب تقریر کا وقت ہوا اور مرزا صاحب نے اسٹیج پر کھڑے ہو کر الحمد کی تفسیر بیان کرنا شروع کی تو نہ جانے اچانک عطاء اللہ شاہ بخاری کہاں سے نکل آئے اور انہوں نے للکار کر کہا کہ مرزا صاحب آپ قرآن کی تفسیر تو غلط نہ کیجئے۔ مرزا صاحب عطاء اللہ شاہ کو دیکھ کر سخت گھبرائے، کیونکہ وہ اپنی طرف سے اس جگہ کو بہت محفوظ سمجھ کر وہاں آئے تھے۔

وہاں اس وقت محمد اعظم تھانیدار اور عزیز دین کوتوال حفاظت پر متعین تھے۔ انہوں نے سرخ سرخ آنکھیں دکھائیں لیکن شاہ جی ان باتوں سے کب ڈرنے والے تھے۔ وہ اپنی بات پر ڈٹے رہے۔ آخر لوگوں نے مرزا صاحب کو شاہ جی سے مناظرہ کرنے کو کہا۔ لیکن مرزا نے صاف انکار کر دیا۔ اس پر کوتوال اور تھانیدار نے شاہ جی سے کہا۔

شاہ جی! مرزا صاحب آپ کے ساتھ مناظرہ کرنے پر آمادہ نہیں ہیں۔ ہم نے ان سے پوچھا ہے۔ اب ہم آپ سے صرف یہ درخواست کرتے ہیں کہ آپ ان کو یہاں سے جانے دیجئے وہ اب یہاں تقریر بھی نہیں کریں گے۔ شاہ جی کہا۔

"کیسے جانے دوں اگر اس میں جرأت ہے تو سامنے کھڑے ہو کر بات کرے"

اس کے بعد شاہ جی سینما ہال کے باہر آ گئے۔ وہاں اتفاق سے ایک تانگہ کھڑا تھا۔ شاہ جی نے اس پر کھڑے ہو کر تقریر شروع کر دی۔ اور آن کی آن میں سارا بازار ایک جلسہ گاہ بن گیا۔

دیکھا جائے تو شاہ جی کا جذبہ، جرأت اور دلیری محض تحفظ ختم نبوت کے سلسلے میں تھی۔

شاہ جی اپنی رائے کے اظہار میں بڑے بیباک تھے۔ وہ بڑے بڑوں کے منہ پر بھی حق گوئی سے باز نہ آتے۔ اور اگر کہیں مذہبی یا سیاسی اختلاف ہوتا تو لگی لپٹی رکھے بغیر نہایت واشگاف الفاظ میں اپنا خیال ظاہر کر دیتے تھے۔

میرے والد صاحب ہی راوی ہیں کہ ایک دفعہ سخت سیاسی بے چینی کا دور تھا اور انگریزوں کے خلاف عوام کے جذبات بہت مشتعل تھے۔ شاہ جی اپنے مرشد اول پیر مہر علی شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ (گولڑہ) کے

پاس گئے اور ان سے جہاد کے موضوع پر گفتگو کی۔ پیر صاحب فرمانے لگے۔ "اچھا میں دعاء کروں گا۔"
شاہ صاحب جو نہایت پر جوش الفاظ لے کر وہاں گئے تھے۔ یہ سن کر کہنے لگے۔
"سرکار! مجھے معاف کیجئے اگر ہر جگہ دعائیں ہی کافی ہوتیں تو رسول اکرم ﷺ بدر واحد کے میدانوں میں نہ جاتے۔

اسی طرح ایک مرتبہ مذہبی جلسہ ہو رہا تھا۔ مولانا نور احمد مرحوم (خطیب مسجد شیخ بڈھا) نے رسول مقبول ﷺ کی سیرت کے بیان میں کہا کہ آپ ﷺ کو غصہ نہیں آتا تھا۔

ان کے بعد جب شاہ جی تقریر کرنے کو اٹھے تو کہنے لگے۔ میں مولانا (نور احمد مرحوم) کو اپنا استاذ کہتا ہوں۔ لیکن یہاں شاگرد استاذ سے اختلاف کرنے کی جرأت کر رہا ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ حضور ﷺ کو غصہ نہیں آتا تھا۔ میں کہتا ہوں غصہ آتا تھا۔ وہ بشر تھے اور غصہ بشر کی فطرت ہے۔ انسان میں غصے کی غیر موجودگی اس کی غیرت کے منافی ہے۔ ہمیں اپنی محبت و عقیدت میں یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہیئے کہ وہ انسان تھے اور انسانی تقاضے ان کے ساتھ تھے۔ اور یہی ان کی فضیلت ہے۔ کہ وہ انسان ہونے کے باوجود اس قدر بلند و بالا تھے۔

شاہ صاحب کی تقریر میں بعض اوقات بڑی دلچسپ اور معنی خیز لفظی رعایات بھی پیدا ہو جاتی تھیں۔ ایک دفعہ کہنے لگے۔

"جب کہیں بخاری کی تقریر ہو تو ان مرزائیوں کو نہ جانے کیوں بخار چڑھ جاتا ہے!"

اس طرح ایک اور موقع پر کہنے لگے۔

مجھے تو آج تک مرزا کی نبوت کے متعلق سمجھ نہیں آئی۔ یہ ظلی بروزی، بروزی، برازی خدا جانے کیا ہے؟

ایک سیاسی جماعت کے مقابلے میں ایک بار کہا۔ ہم انکا مقابلہ کیسے کر سکتے ہیں نہ ہمارے پاس زر ہے نہ زور ہے اور نہ زور ہے!

شاہ جی نے اگست ۱۹۴۷ء کے فسادات شروع ہونے سے بہت پہلے امرتسر کے گول باغ میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا تم لوگ خدا جانے کن خوش کن خوابوں میں کھوئے ہو میں کہتا ہوں۔ یہ وہ وقت ہے کہ میں مشورہ دوں گا۔

"سونا بیچو اور لوہا خریدو"

انکا مطلب تھا کہ اپنے دفاع کا بندوبست کرو۔ لیکن افسوس کہ عوام نے ان کے ان الفاظ کی قدر نہ کی۔

شاہ جی کی ایک تقریر انجمن حمایت اسلام کے سالانہ جلسے کے موقع پر اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور کے وسیع و عریض میدان میں ہوئی۔ جب شاہ جی جلسہ گاہ میں تشریف لائے تو اللہ اکبر۔ تاج و تخت ختم نبوت زندہ باد عطاء اللہ شاہ بخاری زندہ باد کے نعروں سے فضا گونج اٹھی۔

لیکن جب صدر اجلاس میاں ممتاز دولتانہ تشریف لائے جو ان دنوں سابق پنجاب کے وزیر اعلیٰ تھے تو انہیں عوام کا یہ دلی تپاک نصیب نہ ہوسکا۔

شاہ جی نے دولتانہ کو مخاطب کر کے یہ شعر پڑھا۔

پتہ پتہ بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے
جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

مولانا احمد علی لاہوری مرحوم شاہ جی کے بڑے مداح تھے۔ جن دنوں ختم نبوت کی تحریک زوروں پر تھی۔ اور حکومت وقت اس تحریک کو دبانے میں مصروف تھی۔ مولانا احمد علی مرحوم نے خطبہ جمعہ میں ارشاد فرمایا۔

حکومت کہتی ہے کہ عطاء اللہ شاہ بخاری فساد پھیلاتا ہے۔ ان اللہ کے بندوں کو یہ معلوم نہیں کہ اگر عطاء اللہ شاہ بخاری فساد پر آمادہ ہوجائے تو مرزائیت کا قلعہ تادیر قائم نہیں رہ سکتا۔ میں کہتا ہوں کہ اگر بخاری شام کو حکم دے دیں تو صبح ہونے سے پہلے پہلے ربوہ کی اینٹ سے اینٹ بج جائے۔

مجھے بتاؤ کہ ایک طرف لاہور کا ڈپٹی سی تقریر کرے اور ایک طرف عطاء اللہ شاہ تقریر کرے تو لوگ کس کی تقریر سنیں گے؟ اگر ایک طرف وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین تقریر کریں اور ایک طرف عطاء اللہ شاہ بخاری تقریر کریں تو لوگ کس کی تقریر سنیں گے؟ اگر ایک طرف گورنر جنرل غلام محمد تقریر کریں اور دوسری طرف عطاء اللہ شاہ تقریر کریں تو لوگ کس کی تقریر سنیں گے؟"

اور مولانا احمد علی کے جواب میں لوگ ایک آواز کہہ رہے تھے۔

عطاء اللہ شاہ کو۔ عطاء اللہ شاہ کو۔

ان مثالوں سے مسلمانوں کے دلوں میں عطاء اللہ شاہ کی محبت و عقیدت کا اندازہ مشکل نہیں ہے۔

شاہ جی کا جسم بہت رعب دار اور مضبوط تھا۔ ایک بار تقریر میں انہوں نے بتایا کہ کسی زمانے میں میری صحت اتنی اچھی تھی اور بازو اتنے موٹے تھے کہ میرے کوئی ہتھکڑی پوری نہیں آتی۔ چنانچہ انگریزی حکومت کو میرے لئے خاص طور پر الگ، ہتھکڑیوں کا انتظام کرنا پڑا۔

بعض مذہبی مسائل میں انکی رائے نہایت واشگاف اور دو ٹوک ہوتی تھی۔ کچھ مثالیں پہلے بیان کر چکا ہوں ایک مثال اور سنئیے۔

ایک مرتبہ امرتسر میں ایک پیر قسم کے مولوی آئے اور مسجد جان محمد میں تقریر کر گئے کہ حضور ﷺ نوری تھے ان کو خاکی یا بشر کہنا انکی توہین ہے۔

شاہ جی نے مسجد خیر الدین میں اسکا جواب دیا اور کہا: بھائی مانو نہ مانو میرے نانا حضور اکرم ﷺ بشر ہی تھے میں انکی اولاد میں شامل ہوں۔ سارے سید انکی اولاد میں شامل ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اور یہ عام بات ہے کہ نسل بدلا نہیں کرتی۔ انسان کی نسل ہی سے انسان پیدا ہوسکتے ہیں۔ اور اگر میرے حضور علیہ

الصلوۃ والسلام بشر نہ تھے تو میں یہاں تک کہہ دوں گا کہ جو لوگ سید ہونے کا دعوی کرتے ہیں وہ کہاں سے آ گئے ہیں۔

میں نے شاہ جی کی آخری تقریر دہلی دروازے میں سنی جو شاید لاہور میں ان کی آخری تقریر تھی۔ اس تقریر سے پہلے ان پر فالج کا حملہ ہو چکا تھا اور کچھ عرصے کے لئے افاقہ ہو گیا تھا۔ لیکن اس تقریر کا بیشتر حصہ ایک خط پڑھنے اور اس پر تنقید کرنے میں گزر گیا۔ جو مرزا قادیانی نے انگریزوں کو اپنی وفاداری کا یقین دلانے کے لئے لکھا تھا اور وہ شاہ جی کے ہاتھ لگ گیا تھا۔

جو شخص بیک وقت لاکھوں انسانوں کے کانوں کیا، دلوں تک اپنی آواز پہنچا سکتا تھا۔ وہ اتنا بے بس تھا کہ دم آخر اپنے بیٹوں تک سے کوئی بات نہ کر سکا۔ اس کیفیت کا مشاہدہ کر کے عرشی امرتسری نے وہیں یہ شعر کہا:

برق ورعد آسودۂ بستر شدہ
شعلہ جوالہ خاکستر شدہ

افسوس کہ وہ نادر روزگار شخصیت اب ہماری دنیا میں نہیں اور ہم ان کو اپنی آنکھوں سے بھی نہیں دیکھ سکتے۔

وے صورتیں الٰہی کس دیس بستیاں ہیں
اب انکے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں

شاہ جی کی بلند و بالا ہستی ہندوستان اور پاکستان میں یگانہ روزگار تھی جس کا ثانی چشم فلک صدیوں تک نہ دیکھ سکے گی۔ انہیں ہم سے رخصت ہوئے پانچ سال کا عرصہ گذر گیا۔ مگر ان کی شعلہ بیانی کے اثرات اس طرح تازہ ہیں جیسے وہ ابھی ابھی گئے ہیں۔ وہ اس دنیا میں ہیں جہاں سے وہ کبھی لوٹ کر نہ آئیں گے۔ اب ان کا نام نسلوں تک اور کام صدیوں تک ہمارے ساتھ رہے گا۔ ان کی موت سے جو نقصان ہوا ہے اس کی تلافی صرف یوں ہو سکتی ہے کہ وہ آجائیں ہمارے پاس واپس۔ مگر کیا کیا جائے۔ ایسا کبھی نہیں ہوا۔ اور یہ خواہش اس لئے ابھرتی ہے کہ ساری قوم مل کر بھی دوسرا بخاری پیدا نہیں کر سکتی۔ لاکھ کوشش کے باوجود بھی شاہ جی کی پیاری شکل آنکھوں سے اوجھل نہیں ہوتی۔ ان کی موت المناک سانحہ ہے۔ ان کے مرنے سے ایک پورا دور ختم ہو گیا۔ اب دنیا میں بخاری نہیں آئے گا۔

وے صورتیں الٰہی کس دیس بستیاں ہیں
اب جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں

ملک اسلم حیات ایڈووکیٹ مرحوم